اصل العبادۃ

(عبادت کی حقیقت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	خطبۂ ماثورہ	۷
۲	حضور ﷺ کی فضیلت	۷
۳	عمل کے لئے علم کی ضرورت	۸
۴	آج کل کی انجمنوں کا حال	۹
۵	مہر کے احکام	۱۱
۶	ہدیہ کے آداب	۱۲
۷	قبولِ ہدیہ کے لئے نازیبا اصرار	۱۳
۸	ہدیہ کا مہذب انداز	۱۴
۹	حضرت خدیجہؓ سے بوقت نکاح حضور ﷺ کی عمر	۱۵
۱۰	حضور ﷺ کی قوت	۱۶
۱۱	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اندازِ ہدیہ	۱۶

۱۲	صدقہ اور چندہ کے آداب	۱۷
۱۳	آج کل رفاہی کام کرنے میں لوگوں کا منشاء	۱۸
۱۴	خدا پرستی کی حقیقت	۲۰
۱۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایفائے عہد	۲۰
۱۶	سلطان صلاح الدین کی طلب رضائے الٰہی	۲۳
۱۷	غرباء کا اہتمام دین	۲۴
۱۸	اہلِ علم سے شکوہ	۲۴
۱۹	نیم ٹرملا کا قصہ	۲۵
۲۰	دین سے بے پروائی	۲۵
۲۱	کھانے کے آداب	۲۶
۲۲	میزبان کی بدتہذیبی	۲۷
۲۳	آداب میزبانی	۲۷
۲۴	مشائخ کی ذمہ داری	۲۸
۲۵	حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی بیعت کا قصہ	۲۹

۲۶	حافظ ضامن صاحب کی میاں جی نور محمد صاحب سے بیعت	۳۰
۲۷	حجاب اکبر کے معنی	۳۱
۲۸	مشائخ اپنے مریدوں کو علماء سے نہ روکیں	۳۲
۲۹	آج کل کے درویشوں کی حالت	۳۲
۳۰	قابل قدر درویش	۳۳
۳۱	صاحب کرامت بزرگوں کی ذمہ داری	۳۴
۳۲	جہل کی خرابی	۳۵
۳۳	علم اور علماء کی فضیلت	۳۵
۳۴	عالم کی عابد پر فضیلت کی تفصیل	۳۷
۳۵	شبہ کا جواب	۳۸
۳۳۶	حصولِ علم کا طریقہ	۳۸

وابستہ ہوچکا ہے میرا دل حرم کے ساتھ

یارب بنادے اب میری منزل حرم کے ساتھ

یکتائے روزگار ہے عارفؔ وہ مرد حق

ہوجائے جس کو نسبت کامل حرم کے ساتھ

حضرت مولانا مشرف علی عارفؔ تھانوی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

وعظ

اصل العبادۃ

(عبادت کی حقیقت)

۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ بروز جمعہ کو جامع مسجد کیرانہ میں احباب و اعزہ کی درخواست پر تقریباً تین گھنٹے حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ فرمایا جس میں فرمایا کہ عبادت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی اور عبادت چونکہ مقصود ہے اس لئے تحصیلِ علم ضروری ہے اور اسی کے ضمن میں علم کی فضیلت بھی بیان فرمائی۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اسے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا الٰه الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم **اما بعد:** فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم:((فضل العالم على العابد كفضلى على ادناكم))

حضور ﷺ کی فضیلت

ہر چند کہ اس وقت طولِ سفر(۱) سے ایسا تکان ہے کہ بیان کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر احباب نے محبت سے درخواست کی میں نے عذر بھی کیا اُدھر سے اصرار ہوا تو میں نے یہ خیال کیا کہ جتنی دیر احباب کے جواب وسوال میں لگے گی اتنی دیر بیان ہی کردوں گا اس لئے میں نے درخواست منظور کرلی اور بیان کی ہمت ہوگئی مگر بیان مختصر ہوگا لیکن نہ ایسا مختصر کہ مقصود میں مخل ہو بلکہ مقصود کے لئے ان شاء اللہ کافی شافی (۲) ہوگا اس وقت جو حدیث میں نے پڑھی ہے اس میں ایک عام غلطی کی اصلاح ہے اول اس کا ترجمہ کرتا ہوں پھر تفصیل عرض کرونگا حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر‘‘ حضور ﷺ کی فضیلت اور شان تو یہ ہے۔

---

(۱) لمبے سفر کی وجہ سے تھکاوٹ بہت ہے (۲) مقصود بھی حاصل ہوگا اور تسلی بھی ہوجائے گی۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۱)

جب آپ تمام انبیاء سے اور سب ملائکہ سے افضل ہیں تو اولیاء کس پوچھ میں ہیں اور امت کے ادنی آدمی تو کس شمار میں ہیں۔ حضور ﷺ کے برابر تو کوئی بھی نہیں ہے نہ علم میں نہ حال میں نہ عمل میں نہ کمال میں نہ عبادت میں نہ درجاتِ قرب میں خود ارشاد فرماتے ہیں: ((آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ)) کہ ''آدم علیہ السلام اور ان کے سوا سب آدمی قیامت کے دن حضور کے جھنڈے تلے ہوں گے'' غرض حضور ﷺ کی خصوصیات دیکھنے سے یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ کے برابر بھی کوئی نہیں زیادہ تو کیا ہوتا' پھر امت پر اور اس میں بھی ادنی امتی پر تو کس قدر فضیلت ہوگی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ عالم کی فضیلت عابد پر اس درجہ کی ہے جس درجہ میری فضیلت ہے ایک ادنی امتی پر' یہ تو حدیث کا ترجمہ ہوا اب میں اس غلطی پر متنبہ کرتا ہوں جس میں لوگ مبتلا ہیں اور اسی لئے اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

عمل کے لئے علم کی ضرورت

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسان سب کے سب عبادت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اس لئے عبادت کی تو ضرورت ظاہر ہے اور علم کی ضرورت اس لئے ہے کہ عبادت کا طریقہ بدوں (۲) اس کے معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے طریقہ کی ضرورت ہے مثلاً روٹی کھانا ضروری ہے مگر اس کے لئے طریقہ جاننے کی بھی ضرورت ہے کہ روٹی کیونکر پکائی جاتی ہے آٹا کیونکر پیسا جاتا ہے غرض ہر کام میں علم و عمل دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سمجھئے کہ لوگوں کی اس باب

(۱) مختصر بات یہ ہے کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ آپ ﷺ کا ہے (۲) بغیر علم کے۔

میں غلطی کیا ہے۔ سب سے پہلی غلطی تو یہ ہے کہ لوگوں کو اول تو دین کی طرف توجہ ہی نہیں اگر ہوتی ہے تو وہ بھی دنیا کی غرض سے ہوتی ہے باستثناء غرباء(۱) کے کہ ان بیچاروں کو تو دین کی محبت ہے جو کام کرتے ہیں دین کے واسطے کرتے ہیں مگر یہ جو بڑے طبقے کے لوگ ہیں ان کو جو دینی کام کی رغبت ہوتی ہے محض تفاخر اور جاہ(۲) کے لئے ہوتی ہے۔

آج کل کی انجمنوں کا حال

چنانچہ آج کل جو انجمنیں قائم ہیں اس کے عہدیدار اپنے نام کے ساتھ سیکرٹری اور سپرنٹنڈنٹ اور گورنر وغیرہ لکھتے ہیں بس یہ جاہ اور عزت ان کو مطلوب ہے ورنہ خود اپنے قلم سے اپنے نام کے ساتھ ان عہدوں کا ذکر نہ کرتے۔

بریلی سے میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا اس میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ گورنر یتیم خانہ لکھا تھا پھر تہذیب یہ کہ خط میں استفتاء تھا اور جواب کے لئے ٹکٹ ندارد(۳) میں نے اتنی رعایت کی کہ جواب لکھ کر بیرنگ روانہ کر دیا ان حضرت نے میری اس رعایت کی یہ قدر کی کہ بیرنگ خط کو واپس کر دیا اس واقعہ کے بعد میں نے بیرنگ خط بھیجنے سے توبہ کر لی بس جس خط میں ٹکٹ نہ ہو جواب کے لئے اس کو چند روز امانت رکھ کر ردی میں ڈال دیتا ہوں۔ پھر جلد ہی میرا بریلی جانا ہو گیا تو میں نے وہ بیرنگ خط اپنے ساتھ لے لیا کہا اگر اُن حضرت سے ملاقات ہوئی تو ان سے ایک آنہ وصول کرونگا چنانچہ وہاں پہنچ کر میں نے ایک مجلس میں بھائی سے اس کا ذکر کیا کہ یہاں یتیم خانہ کے گورنر صاحب کون ہیں انہوں نے ایسی بدتہذیبی کی کہ میرے پاس استفتاء بھیجا اور جواب کے لئے ٹکٹ بھی نہ رکھا

(۱) غرباء کو نکال کر (۲) فخر واقتدار کے لیے (۳) ٹکٹ موجود نہیں۔

قاعدہ کے موافق تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ میں خط کو ردی میں ڈال دیتا مگر میں نے رعایت کر کے ان کے خط کا جواب بیرنگ دیدیا تو انہوں نے میرے ساتھ یہ تہذیب برتی کہ بیرنگ خط واپس کر کے مجھے تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا میں ان حضرت سے اپنا ایک آنہ وصول کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ تاوان ناحق میرے ذمہ پڑا۔ بھائی نے یاد نہیں کیا کہا پھر مجلس برخاست ہونے کے بعد بھائی نے کہا کہ آپ نے غضب کیا یہ صاحب جو آپ کے سامنے بیٹھے تھے یہ گورنر صاحب کے صاحبزادے تھے میں نے کہا اچھا ہوا گورنر صاحب کو اپنی حرکت کا علم تو ہوجائیگا۔

تو بڑے طبقے کے لوگ اکثر دین کے کام دین کی نیت سے نہیں کرتے بلکہ دنیا کی نیت سے کرتے ہیں چنانچہ ایک انجمن کے سیکرٹری شراب پیتے تھے مگر اس کے ساتھ بھی وہ اسلامی انجمن کے سیکرٹری تھے کیا ایسے لوگوں سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ دین کے واسطے انجمن کی خدمت کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ محض جاہ کے واسطے' مجھے اس انجمن میں بلایا گیا تھا میں نے انکار کردیا کیونکہ جس انجمن کا سیکرٹری نااہل ہو اس میں شرکت کرنا سیکرٹری کی جاہ(۱) بڑھانا ہے اور نااہل کی جاہ بڑھانا اور اس کے عہدے کو تسلیم کرنا خود ناجائز ہے ہاں کوئی اس واسطے شرکت کرے کہ ایسے نااہلوں کے معزول کرنے میں سعی (۲) کرے تو جائز ہے اور ایسے لوگوں کو سیکرٹری وغیرہ صرف اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ وہ چندہ خوب وصول کرتے ہیں غرباء کے اوپر ٹیکس کی طرح چندہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے دباؤ اور اثر سے جبراً وصول کرتے ہیں۔ اس کام میں ان کی مدح کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب دین کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں سبحان اللہ! یہ بڑا دین کا کام کیا کہ غرباء کے گلے پر چھری رکھ کر چندہ وصول کرلیا۔ ان سے اچھے تو وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا ڈاکو ہیں کیونکہ وہ

(۱) عزت (۲) کوشش۔

لوگوں سے مال چھین کر اپنے بال بچوں کو تو کھلاتے ہیں جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے تو گو ان کا ذریعۂ معاش تو حرام ہے مگر مصرف ایسا ہے جس میں خرچ کرنا ان کے ذمہ واجب تھا تو وہ حرام کا ارتکاب کر کے ایک واجب سے تو سبکدوش ہوئے (۱) اور یہ سیکرٹری صاحب حرام طریقہ سے چندہ وصول کر کے ایسی جگہ صرف کرتے ہیں جس کی خدمت ان کے ذمہ واجب بھی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ انجمن کی خدمت ان کے ذمہ واجب نہیں اور ڈاکو کی سزا معلوم ہے تو یہ لوگ اس کے واسطے تیار رہیں (۲)۔ افسوس آجکل چندہ میں اس کا اصلاً لحاظ نہیں کیا جاتا کہ یہ مال خوشی سے دیا گیا ہے یا جبر سے۔

مہر کے احکام

حق تعالیٰ شانہٗ نے تو بیوی کے مال کے بارے میں بھی یہ فرمایا ہے:

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ (۳) کہ اگر بیوی اپنے دل کی خوشی سے مرد کو اپنے مہر میں سے کچھ دیدے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ یہاں بھی طیبِ نفس کی قید ہے حالانکہ میاں بیوی کا تعلق عاشقی معشوقی کا تعلق ہوتا ہے اور ایسے تعلق میں ناگواری بھی بہت ہی کم ہوتی ہے تو پھر غرباء کا روپیہ بدوں طیبِ قلب کے کیونکر جائز ہوگا۔ بیوی کے معاملہ میں ایک مقام پر اس سے بڑھ کر ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۴) کہ ’’اگر تم نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدی ہو اور مہر مقرر ہو چکا ہو تو بیوی کے لیے نصف مہر ہے مگر یہ کہ وہ اپنا

(۱) بری الذمہ ہوگئے (۲) جبری طور پر چندہ وصول کرنے والوں کی سزا بھی آخرت میں یہی ہوگی (۳) سورۃ نساء: ۴
(۴) سورۂ بقرہ: ۲۳۷۔

حق معاف کردے (تو کچھ نہ رہے گا) یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی ڈور ہے (یعنی شوہر) وہ معاف کردے (تو پورا مہر رہیگا) اور اے مردو تم معاف کردو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے'' یعنی مرد کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورت کی معافی کا منتظر نہ رہے بلکہ خود اپنا حق معاف کردے۔ تو دیکھئے باوجودیکہ عورت اگر خوشی سے مہر معاف کردے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے اور اس کی اجازت دیدی گئی تھی مگر اس مقام پر دوسرا ادب سکھلایا گیا ہے کہ غیرت کا مقتضا یہی ہے کہ عورت کی معافی کو قبول نہ کرو بلکہ تم اس کے ساتھ احسان کرو۔ جب بیوی کے ساتھ لین دین کرنے اور اس کا عطیہ قبول کرنے کے لیے یہ آداب ہیں تو بھلا چندہ کے لیے آداب نہ ہوں گے؟ ضرور ہیں اور ان کا لحاظ کرنا واجب ہے۔

ہدیہ کے آداب

شریعتِ مقدسہ نے تو ہدیہ کے لیے بھی آداب مقرر کئے ہیں چنانچہ ایک ادب یہ ہے: ((ما اتاك من غير اشراف نفس فخذه ومالا ولا تتبعه نفسك)) کہ جو چیز ہدیہ وغیرہ بدوں (۱) انتظار کے آجائے لے لو اور جو انتظار سے آئے اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت ڈالو۔ اس پر ایک واقعہ مجھے یاد آیا بلگرام میں ایک بزرگ عالم متوکل تھے ایک دن ان کے یہاں فاقہ تھا صبح کو جو وہ حسب معمول پڑھانے بیٹھے تو شاگرد نے چہرے اور آواز سے پہچان لیا کہ شیخ کو فاقہ کا ضعف (۲) ہے اس نے دو چار سطریں پڑھ کر کتاب بند کردی اور یہ کہا کہ میری طبیعت آج اچھی نہیں آج سبق موقوف (۳) فرمادیجئے۔ استاد نے سبق کا ناغہ منظور فرمالیا اور شاگرد وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گئے اور تھوڑی دیر میں ایک خوان سر پر رکھے ہوئے

(۱) بغیر انتظار (۲) کمزوری (۳) آج سبق نہ پڑھائیے۔

آئے جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے وہ خوان استاد کے سامنے پیش کیا کہ یہ ہدیہ قبول فرمایئے استاد نے کہا کہ یہ ہدیہ ایسے وقت آیا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت تھی مگر ایک عذر اس کے قبول سے مانع (۱) ہے وہ یہ کہ تم جس وقت اٹھ کر چلے ہو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم کھانا لینے گئے ہو اور حدیث میں آیا ہے ((ما آتاك من غير اشراف نفس فخذه ومالا فلا تتبعه نفسك))(۲) اور یہ ہدیہ اشرافِ نفس (۳) کے بعد آیا ہے اس لئے اس کا قبول کرنا خلاف سنت ہے۔ وہ شاگرد بھی ان بزرگ کی صحبت کی برکت سے فہیم تھے اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔

قبولِ ہدیہ کے لیے نازیبا اصرار

اگر ہم جیسے ہوتے تو اصرار کرنے لگتے اور عاجزی کے ساتھ منہ بنا بنا کر خوشامد کرتے کہ جس طرح بھی ہو اب تو قبول ہی کر لیجئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آجکل کھانا کھانے میں اصرار کیا جاتا ہے کہ اور کھایئے میری خاطر سے تھوڑا سا تو اور کھا لیجئے اب انکار کیا جائے تو ان کی دلشکنی (۴) ہوتی ہے اور کھایا جائے تو اپنی شکم شکنی (۵) ہوتی ہے وہ تو اصرار کر کے زیادہ کھلا کر اپنے گھر آرام سے سو رہیں گے اور ہم کو زیادہ کھانے سے رات بھر بے چینی رہے گی نہ نیند آئے گی نہ طبیعت صاف ہوگی اس لیے میں ایسے اصرار کو قبول نہیں کرتا چنانچہ اس وقت اس سفر میں بھی مجھے ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک موقع پر ایک بوڑھے میاں نے دعوت پر اصرار کیا میں نے معقول عذر کر دیا کہ آج فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے ان کے یہاں دعوت پہلے سے منظور ہو چکی ہے وہ کہنے لگے کہ چونکہ آپ نائب رسول ہیں اس لئے مجھے

---

(۱) ایک وجہ سے اس کو قبول نہیں کر سکتا (۲) ترجمہ اوپر گذر چکا ہے (۳) نفس میں اس کی طلب پیدا ہونے کے بعد آیا ہے (۴) دل ٹوٹتا ہے (۵) اپنا پیٹ پھٹتا ہے۔

آپ کو کھلانے کا اشتیاق ہے میں نے کہا کہ چونکہ میں آپ کے نزدیک نائب رسول ہوں اسی لیے تو میں وعدہ خلافی سے رکتا ہوں کہ آج مجھے فلاں جگہ جانا ہے وہاں اطلاع کر چکا ہوں اس لیے آپ کی دعوت قبول کرنے سے معذور ہوں کہنے لگے کہ کبھی وعدہ ملتوی بھی تو ہوجاتا ہے میں نے کہا بہت اچھا میں سب سے پہلے آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں اور قبول کرکے ملتوی کرتا ہوں کیونکہ وعدہ کبھی ملتوی بھی تو ہوجاتا ہے اب تو وہ بڑے چپ ہوئے میں نے اپنے دل میں کہا کہ واقعی یہ بڑے میاں پنشن پانے کے قابل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نقد ہدیہ پیش کیا کہ دعوت کی بجائے اسی کو قبول فرمالیجئے۔ میں نے کہا کہ چونکہ آپ نے مباحثہ کی صورت اختیار کی ہے جس سے مجھے تکدر (۱) ہوا اس لیے اب تو میں نقد بھی نہ لونگا نہ آپ کی سواری پر سوار ہوں گا۔

تو آج کل لوگوں کو اصرار کا بڑا مرض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کے قاعدے اور ضابطے تو سب لغو ہیں اور ان کی ہر تجویز صحیح یہ بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔

ہدیہ کا مہذب انداز

تو وہ شاگرد ایسے بدتہذیب نہ تھے جب استاد کا معقول عذر سنا تو خوان اٹھا کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ میں خلاف سنت کام کرنے پر آپ کو مجبور نہیں کرتا بہت اچھا میں اس کو واپس لے جاتا ہوں چنانچہ کھانا واپس لے گئے اور اتنی دور چلے گئے کہ شیخ کو یقین ہوگیا کہ واپس لے گئے اس کے بعد تھوڑی دیر میں پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت اب تو اشراف نفس (۲) ختم ہوگیا اب قبول فرمالیجئے شیخ کو محبت کا جوش ہوا اور کھڑے ہوکر شاگرد کو سینہ سے لگالیا۔ دیکھئے تہذیب اس کا نام

(۱) جس سے میری طبیعت پریشان ہوئی (۲) دل میں جو انتظار پیدا ہوا تھے میرے واپس جانے کی وجہ سے وہ ختم ہوگیا ہوگا اب نہ لینے کا عذر بھی نہیں رہا آپ قبول کرلیجئے۔

ہے کہ شیخ کی بات کو بھی رد نہ کیا اور ہدیہ بھی ان کے اصول کے موافق پیش کر دیا واقعی جب انسان کو محبت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو آدابِ محبت خود سکھا دیتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بوقتِ نکاح حضور ﷺ کی عمر

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جس وقت حضور ﷺ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی پچیس سال کی عمر تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی یہ بیوہ تھیں اور بہت مالدار چنانچہ اپنے تمول ہی کی وجہ سے ملکۂ عرب مشہور تھیں اور یہاں سے مخالفین اسلام کو شرم کرنا چاہئیے جو حضور ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی اس واقعہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی حضور کو جوان کنواری لڑکی ملنا کیا دشوار تھا اگر آپ چاہتے تو بوجہ عالی خاندان ہونے کے کہ بنی ہاشم مکہ کے سردار تھے آپ کو کتنی ہی لڑکیاں مل سکتی تھیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی اس امر پر(۱) توجہ ہی نہیں کی پھر علاوہ عالی خاندان ہونے کے حضور ﷺ کی قوت بھی بہت زیادہ تھی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کو تیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی وفی روایة((اربعین)) و قال مجاهد:((اعطی قوة اربعین من رجال الجنة ۱۲))(۲)

---

(۱) اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی (۲) ’’اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس مردوں کی قوت تھی اور مجاہد کہتے ہیں کہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت‘‘ ((اور ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ہر مرد کی قوت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوگی تو گویا حضور ﷺ میں چار ہزار مردوں کے برابر قوت تھی، اور ایک مرد کو چار شادی کی اجازت ہے تو اس طرح آپ کو کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئیے تھی اور اگر کرتے تو عین عدل ہوتا پھر آپ کا صرف گیارہ پر اکتفا کرنا یہ انتہائی مجاہدہ ہے ۱۲ خ)

حضور ﷺ کی قوت

حدیث کو کوئی نہ مانے تو حضرت رکانہ کا واقعہ اس کے سامنے پیش کیا جائیگا کہ وہ عرب کے مشہور پہلوان تھے جن کی طاقت وقوت ہزار مردوں کی برابر شمار کی جاتی تھی ان کو جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات دکھلاؤ تو میں ایمان لاؤں' حضور ﷺ نے فرمایا بتلاؤ کیا چاہتے ہو کہنے لگے کہ مجھ سے زیادہ طاقتور عرب میں کوئی نہیں اگر آپ کشتی میں مجھے بچھاڑ دیں (۱) تو ایمان لے آؤنگا حضور ﷺ نے فرمایا بہت اچھا' چنانچہ کشتی ہوئی اور حضور ﷺ نے رکانہ کو بچھاڑ دیا وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے یہ اتفاقی بات ہے دوبارہ پھر کشتی ہو' چنانچہ حضور ﷺ نے پھر رکانہ کو بچھاڑ دیا تو وہ اسلام لے آئے جب حضور ﷺ کی قوت کی یہ حالت ہے تو حضور ﷺ کے لیے نکاح میں امت سے زیادہ وسعت دیا جانا عین موافق عقل ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اندازِ ہدیہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ خدیجہ کے نکاح کے وقت حضرت صدیق کو خیال ہوا کہ اس موقع پر حضور ﷺ کی طرف سے بھی مہر وغیرہ میں زیادہ خرچ ہونا چاہئے تاکہ سبکی (۲) نہ ہو مگر آپ کے پاس مال تھا نہیں اس لیے یہ تدبیر کی کہ ایک حیلہ سے آپ کو روپیہ دیا کیونکہ ویسے لینے کی امید نہ تھی وہ حیلہ یہ کیا کہ حضور ﷺ سے آ کر عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ کے دادا صاحب نے کچھ رقم میرے دادا کے پاس امانت رکھی تھی میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ حضور کے سامنے وہ امانت پیش کردوں

(۱) شکست دیدیں (۲) شرمندگی۔

مگر موقع کا منتظر تھا کہ جب آپ کو ضرورت زیادہ ہوگی اس وقت پیش کروں گا چنانچہ اب موقع ہے اس لیے پیش کرتا ہوں اور یہ حیلہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس واسطے کیا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کے قبول کرنے سے گرانی نہ ہو تو یہ آداب ہیں ہدیہ کے کہ اس طرح پیش کیا جائے جس سے دوسرے پر گرانی نہ ہو۔ دیکھئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کس تدبیر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت پہنچائی وہاں تو یہی مقصود تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راحت پہنچے حضرت صدیق کو نبوت سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی غرض ہدیہ میں یہ ضروری ہے کہ کسی پر گرانی نہ ہو نہ مہدی پر نہ مہدیٰ الیہ پر (۱)۔

صدقہ اور چندہ کے آداب

یہی شرط ہے صدقہ میں، چنانچہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مجمع میں سوال کرنے پر دو روپیہ دے اور تنہائی میں ایک روپیہ دیتا تو اس میں ایک روپیہ حلال ہے ایک حرام ہے یہی قاعدہ چندہ میں بھی ہے مگر چندہ میں تو قصداً یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ مجمع میں تحریک کی جائے تاکہ جو شخص ایک روپیہ دیتا وہ شرما شرمی پانچ تو دیگا یاد رکھو یہ یہ صورت بالکل ناجائز ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بتلاؤ مقصود بالذات کیا ہے، کام مقصود ہے یا دین؟ اگر صرف کام ہی مقصود ہے تو منافقین درک اسفل نار (۲) میں کیوں ہونگے کیونکہ وہ بھی تو جہاد و صدقہ وغیرہ کرتے تھے معلوم ہوا کہ جس کام میں رضائے حق نہ ہو وہ کام ہی نہیں، مسلمان کا اصل مقصود رضائے حق ہے چاہے کام تھوڑا ہو مگر رضائے حق کے موافق ہونا چاہئے مثلاً اگر یتیم خانہ بہت بڑا ہو مگر رضائے حق نہ ہو تو اس کو لیکر کرنا کیا ہے۔

(۱) نہ ہدیہ دینے والے نہ جس کو دیا جائے اس پر (۲) جہنم کی آگ کے نچلے درجے میں۔

آج کل رفاہی کام کرنے میں لوگوں کا منشاء

چنانچہ آجکل جو ایک بہت بڑی انجمن ہے میں اس کا نام بیان نہیں کرنا چاہتا اس کا ایک واقعہ عجیب سنا ہے جس سے حیرت ہوگئی وہ یہ کہ لکھنؤ میں ایک کسبی(۱) نے اپنی بہت بڑی جائیداد ایک متوکل عالم تنگدست کے سامنے پیش کی کہ اس کو قبول فرما کر اپنے تصرف میں لائیے انہوں نے انکار کر دیا' اس کے بعد اس نے انجمن والوں کے سامنے پیش کیا کہ میری طرف سے اس کو انجمن کے واسطے وقف کر دو انہوں نے قبول کر لیا لکھنؤ کی عوام نے اس پر عجیب فقرہ کسا کہ میاں وہ بزرگ تو اکیلے تھے ان کو گناہوں کے بار کا تحمل نہ تھا(۲) اور انجمن میں تو بہت سے موٹے موٹے ہیں وہ سب مل کر تھوڑا تھوڑا اٹھالیں گے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو صرف انجمن کا چلانا مقصود ہے(۳) رضائے حق مقصود نہیں ورنہ حلال وحرام کی ضرور رعایت کرتا اور یہ ساری خرابی حب جاہ(۴) کی ہے کہ ان لوگوں کو کام سے جاہ مطلوب ہے چنانچہ ڈیگ میں ایک انجمن کے سیکرٹری مجھ سے ملے اور انجمن سے لوگوں کی بے توجہی کی شکایت کرنے لگے میں نے کہا کہ

---

(۱) رنڈی (۲) گناہوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے تھے (۳) احقر جامع عرض کرتا ہے کہ یہ آجکل ہم مسلمانوں کی بہت بڑی غلطی ہے کہ صرف کام کو مقصود سمجھتے ہیں رضائے حق کو مقصود نہیں سمجھتے چنانچہ بہت لوگ آزادی کی طلب میں وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو سراسر خلاف شریعت ہے مثلاً کافروں کو پیشرو بنانا ان کی بے پردہ عورتوں کے ساتھ جلوس وغیرہ میں شریک ہونا جس میں نگاہِ بد سے حفاظت دشوار ہے جس کپڑے کی تجارت شرعاً مباح ہے اس سے جبراً تجار کو روکنا خریداروں کو روکنا کسی کی گرفتاری پر ہڑتال کرنا اور تجار کو دکانیں بند کرنے پر مجبور کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے افعال ایسے ہیں جو حدودِ شریعت سے متجاوز ہیں مگر ان کو دین سمجھتے ہیں ان کی غلطی کا منشاء صرف یہ ہے کہ انہوں نے کام کو مقصود سمجھ لیا ہے رضائے حق کو مقصود نہیں سمجھا ورنہ اس کام کے ذرائع میں ضرور غور کرتے کہ یہ شریعت کے بھی موافق ہیں یا نہیں ۱۲ ظ (۴) اقتدار کی محبت۔

دوسروں کو کام میں لگانے کی اور ان کی شکایت کی آپ کو کیا ضرورت ہے آپ پہلے خود کام کرنا شروع کردیں جتنا بھی آپ سے ہوسکے دوسروں کو آپ تنگ نہ کریں پھر کام میں خود کشش ہوتی ہے لوگوں کو خود بخود توجہ ہو جاویگی جب وہ چلے گئے تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے ان کے مرض کو خوب سمجھا واقعی بات یہی ہے کہ یہ خود تو کچھ کام نہیں کرتے اور دوسروں سے چندہ وصول کرنا اور کام لینا چاہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیکرٹری بننے کا شوق ہے اور کام کے نام صفر ہے غرض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل جو لوگ دین کی خدمت کرتے ہیں محض جاہ کے لئے کرتے ہیں دین اور رضائے حق مطلوب نہیں چنانچہ اسی حالت کے متعلق میرے ایک دوست کا خواب ہے کہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو محاسنِ اسلام پر تقریر کرتے ہوئے دیکھا مگر خواب ہی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قبل از اسلام محاسنِ اسلام پر تقریر کررہے ہیں میں نے اس کی یہی تعبیر دی کہ اس خواب میں آجکل کے حامیانِ اسلام کی خدمتِ اسلام کی حقیقت بتلائی گئی ہے کہ ان کی یہ حمایتِ اسلام ایسی ہے جیسے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت والفت تھی کہ وہ نصرت محض دوستانہ تھی رضاء حق کے لئے نہ تھی اسی طرح آجکل جو لوگوں کو اسلامی درد ہے یا حمایتِ اسلام کا ولولہ ہے وہ محض قوم پرستی اور ہمدردیٔ قومی سے ناشی ہے (۱) طلبِ رضائے حق سے ناشی نہیں (۲) ورنہ اتباعِ احکام کا اہتمام ضرور ہوتا اب تو یہ حالت ہے کہ انجمنوں میں ہزاروں روپیہ جمع ہے اور بینک میں داخل ہے جس کا سود لے رہے ہیں یہ کیا دین ہے مگر ان کی بلا سے سود ہو یا سود سے بھی بدتر ان کی انجمن کا کام چلنا چاہیئے کیونکہ اس کی بدولت یہ سیکرٹری اور رفارمر اور لیڈر بنے ہوئے ہیں اسی سے ان کی وقعت ہے اور

(۱) قوم ہمدردی اس کا منشاء ہے (۲) طلبِ رضائے حق اس کا منشاء نہیں۔

یہی ان کو مطلوب ہے اس لئے آجکل زیادہ کام قوم پرستی کرا رہی ہے خدا پرستی نہیں کراتی۔

خدا پرستی کی حقیقت

خدا پرستی تو یہ ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ اگر ایک کافر معرکۂ جہاد میں میرا ایک ہاتھ کاٹ دے پھر جب مجھے اس پر قابو ملے اور میں اس کو مارنا چاہتا ہوں تو وہ کلمۂ اسلام زبان سے پڑھ دے تو میں کیا کروں' حضور نے فرمایا ہاتھ روک لو' صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس حالت میں تو وہ محض جان بچانے کو کلمہ پڑھتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاتھ روک لو اگر تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کیا تو اس کی وہ حالت ہوگی جو کلمہ اسلام کے بعد تمہاری حالت ہوئی تھی اور تمہاری وہ حالت ہوگی جو کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کی حالت تھی تم کو کسی کے دل کی کیا خبر ہے۔ یہ ہے خدا پرستی کہ تمام مصالح پر خاک ڈالدی اور حکم کا اتباع کیا چنانچہ حضرات صحابہ کے کارناموں سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے ان احکام کی کس قدر پابندی کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایفائے عہد

ایک واقعہ مجھے اسی قسم کا یاد آ گیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ ہرمزان فارسی سے جو شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ تھا مسلمانوں کی صلح ہوگئی تھی مگر اس نے صلح کے بعد غدر (۱) کیا پھر مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا اور صلح کے لئے خوشامد کرنے لگا پھر غدر کیا صحابہ نے پھر اس کے ملک پر حملہ کیا تو

(۱) بغاوت کی۔

پھر صلح کی درخواست کرنے لگا حضرات صحابہ نے اس مرتبہ صلح منظور نہ کی کیونکہ تجربہ ہو چکا تھا تو اس نے درخواست کی کہ اچھا مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدیا جائے وہ جو فیصلہ میرے حق میں کردیں گے مجھے منظور ہے چنانچہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اس کی صورت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ سے تاب (۱) نہ رہی کیونکہ اس نے صلح کر کے مسلمانوں کے بڑے بڑے بہادر اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تیرے پاس اس غدر کا کیا جواب ہے بولو؟ ہرمزان نے کہا زندوں کی طرح بولوں یا مردوں کی طرح کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں بات پورا کرنے سے پہلے ہی آپ مجھ کو قتل کردیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ((تکلم لا بأس)) ''بولو ڈرو نہیں'' اس نے کہا اچھا ذرا مجھے پانی پلوا دیجئے کہ پیاس سے بیتاب ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے پانی منگایا جو ایک بھدے (۲) سے پیالے میں لایا گیا ہرمزان نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں گا تو ایسے پیالے میں پانی نہ پیوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے حق میں پیاس اور قتل کو جمع نہ کرو اچھے گلاس میں پانی لے آؤ چنانچہ لایا گیا تو ہرمزان نے گلاس منہ سے لگا کر ہٹا لیا کہ پینے کی ہمت نہیں ہوتی مجھے اندیشہ ہے کہیں گلاس منہ کو لگاتے ہی میرا سر گردن سے جدا کردیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ((لا تخف حتی تشربہ)) کہ ''پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہ کرو'' یہ سنتے ہی ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور کہا مجھے پیاس نہیں ہے مجھے تو صرف امن لینا مقصود تھا سو وہ مقصود حاصل ہو گیا اب آپ مجھ کو قتل نہیں کرسکتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھلا میں ایسے شخص کو زندہ چھوڑ سکتا ہوں جس نے براء بن مالک اور فلاں فلاں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا ہے ہرمزان نے کہا کہ میں نے کچھ ہی کیا ہو مگر

(۲) غصے سے بے قابو ہو گئے (۳) بدصورت۔

آپ مجھ کو امن دے چکے ہیں اب قتل نہیں کرسکتے‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو امن نہیں دیا ہرمزان نے کہا آپ واقعی مجھ کو امن دے چکے ہیں اس پر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ہرمزان کی تائید کی کہ واقعی آپ اس کو امن دے چکے ہیں کیونکہ آپ نے اس کو ((تکلم لا بأس))اور((لا تخف حتی تشربه))(۱) فرمایا ہے اور یہ الفاظ موجب امان ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے کلام میں غور فرمایا تو سمجھ گئے کہ واقعی میری زبان سے الفاظ امان (۲) نکل چکے ہیں تو ہرمزان کو رہا کردیا اور فرمایا((خدعتنی ولا انخدع الا لمسلم)) کہ تم نے مجھ کو دھوکہ دیا مگر میں مسلمان کے دھوکہ میں آسکتا ہوں کافر کے دھوکہ میں نہیں آسکتا چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہرمزان مسلمان ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تونے جان بچانے کے لئے اتنی تدبیریں کیوں کی اول ہی میں اسلام لے آتا تو تیری جان بچ جاتی۔ کہا اس صورت میں آپ کو میرے اسلام کی قدر نہ ہوتی یہ خیال ہوتا کہ جان بچانے کے لئے مسلمان ہوا ہے اس لئے میں نے دوسرے طریقہ سے اپنی جان بچالی اور آپ کو اپنے قتل سے روکدیا اس کے بعد مطمئن ہوکر اسلام لایا اب کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جان بچانے کو اسلام لایا ہے۔

تو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قدر شریعت کے پابند اور وقاف عندالحدود (۳) تھے۔ عبدیت اسی کا نام ہے بندہ کی شان تو یہ ہے کہ احکام کا

(۱) ’’بولو ڈرو نہیں‘‘ اور ’’پانی کے پینے تک کچھ خوف نہ کرو‘‘ (۲) یعنی جب تک تم پانی نہیں پی لوگے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا اور اب چونکہ اس پانی کا پینا ممکن نہیں کہ پھینکدیا گیا ہے اس لئے اب اس کو قتل بھی نہیں کیا جاسکتا کہ پانی پینے تک کے لیے امان دیا جاچکا ہے۔ آج کل جو لوگ اسلام پر دہشت گردی کا اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا وہ اس واقعے میں غور کریں تو پتہ لگے گا کہ اسلام کتنا امن پسند ہے (۳) کتنے زیادہ حدود اللہ کی پاسداری کرنے والے تھے۔

اتباع کرے مصالح کی پرواہ نہ کرے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار کار ملک ست آنکہ تدبیر وتحمل بایدش (۱)

انجن کو کیا حق ہے کہ راستہ میں ڈرائیور کے ٹھہرانے کے بعد نہ ٹھہرے بلکہ اس کو ڈرائیور کے ٹھہرانے بعد فوراً ٹھہر جانا چاہیئے خواہ اس کے نزدیک ٹھہرنے کی جگہ ہو یا نہ ہو۔

سلطان صلاح الدینؒ کی طلب رضائے الٰہی

سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ فتوحات سے فراغت کر چکے تو وزراء نے ان سے کہا کہ عیسائی رعایا کے واسطے ایک قانون سخت بنانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ بدوں سختی کے مفسدہ سے باز نہیں آتے اور قانون اسلام بہت نرم ہے اس سے مفسد لوگ دب نہیں سکتے اور آپ نے فرمایا کہ قرآن وحدیث کافی ہے کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں خدا تعالیٰ کو پہلے سے سب کچھ معلوم تھا کہ مفتوحاتِ اسلامیہ کی رعایا کس کس قسم کی ہوگی انہوں نے اپنے علم سے یہ قانون نازل فرمایا ہے اس لئے ہمارے نزدیک تو قانونِ اسلام ہر قسم کی رعایا کے واسطے کافی ہے اور فرض کرلو کہ وہ کافی نہیں تو ہم کو تو رضائے حق مطلوب ہے بقائے سلطنت مطلوب نہیں اگر قانون اسلام رائج کرنے سے سلطنت جاتی رہے گی بلا سے جاتی رہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ تو ہم سے راضی رہیں گے اور دوسرا قانون رائج کرنے سے فرض کرلو سلطنت باقی رہے گی مگر خدا تعالیٰ ہم سے ناراض ہوجائیں گے اور ہم نے اس واسطے فتوحات نہیں کیں کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے سلطنت کریں ایسی سلطنت تو فرعون کو بھی حاصل تھی۔

(۱) ایک آزاد عالم کے لیے مصالح کے رعایت کرنے کی ضرورت نہیں مصلحت بینی تو حکام کا کام ہے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　　بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

غرباء کا اہتمامِ دین

غرض بڑے طبقے کے اکثر لوگ جو دین کا بڑا کام کرتے ہیں وہ محض دنیا کے واسطے کرتے ہیں دین کے لئے اور خدا کے لئے کم کرتے ہیں البتہ غرباء کی نیتیں دین کے کام میں درست ہوتی ہیں کیونکہ ان کی عزت ہی کچھ نہیں وہ دین کا کتنا ہی بڑا کام کریں ان کی کوئی وقعت دنیا والے نہیں کرتے ہاں خدا تعالیٰ ان کی وقعت فرماتے ہیں اور وہی وقعت کرنے والے کافی ہیں پس غرباء کو تو دین پر کچھ توجہ ہے امراء کو نہیں ہے(۱)۔

اہلِ علم سے شکوہ

یہاں تک تو ان کی شکایت ہے جو کام ہی نہیں کرتے یا طریقہ سے نہیں کرتے اب میں ان کی شکایت کرتا ہوں جو کام کرنے والے ہیں کہ ان کو عمل کا تو اہتمام ہے مگر علم کا اہتمام نہیں یہ لوگ نفلیں پڑھ لیں گے حج کرلیں گے روزے رکھ لیں گے باقی یہ کہیں نہیں دیکھا جاتا کہ دینداری اختیار کرنے کے بعد کسی نے دین کی کوئی کتاب پڑھنا بھی شروع کردی ہو مجھے مشائخ کی بھی شکایت ہے اور ان مشائخ کی بھی جو علماء ہیں کہ وہ اپنے مریدوں کو وظائف واوراد وغیرہ تو بتلاتے ہیں مگر مسائل واحکام کی کوئی کتاب پڑھنے سننے کو نہیں بتلاتے کہ فلاں کتاب دیکھنا یا کسی سے سن لینا ہاں اگر کوئی مولوی اپنی خوشی سے آجائے جیسے ایک نیم ٹرملا کے

(۱) اسی لئے حدیث میں آتا ہے ھم اتباع الرسل کہ انبیاء علیہم السلام کا اتباع کرنے والے غرباء زیادہ ہیں اول تو شمار میں بھی غرباء زیادہ ہیں دوسرے دین کی خدمت خدا کے لئے کرنے والے بھی زیادہ غرباء ہی ہیں امراء اول تو دین کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو دنیا ہی کے لیے ۱۲ ظ۔

پیالہ میں گوشت کی بوٹی اپنی خوشی سے آ گئی تھیں۔

نیم ٹرملا کا قصہ

نیم ٹر کا قصہ یہ ہے کہ اس کے گھر میں کسی کا مرغا آ گیا تو اس نے تین دفعہ پکار کر کہا یہ کس کا مرغا، مگر کس کا تو زور سے کہتا تھا اور مرغا آہستہ سے جب تین دفعہ (۱) ندا ہو چکی بیوی سے کہا یہ لقطہ ہے (۲) حلال ہے اس کو ذبح کر لو جب پک کر تیار ہو گیا بیوی سے کہا کہ کھانا لے آؤ مگر شوربا نکالو بوٹی میں شبہ ہے وہ مت لانا وہ شوربا اتارنے بیٹھی اور چمچے سے بوٹیوں کو ہٹا کر شوربا نکالنے لگی نیم ٹر بولے کہ چمچے سے نہ ہٹاؤ بلکہ کنارہ سے شوربا نکال لو اس نے کہا اس طرح تو بوٹی بھی آویگی فرمایا جو اپنی خوشی سے آجاوے اسے آنے دو تم خود مت لاؤ۔

دین سے بے پروائی

تو اسی طرح کوئی مولوی خود ان کے گھر اپنی خوشی سے آجائے تو اب اس سے مسئلے پوچھتے کہ فلاں دن نماز میں یہ واقعہ پیش آیا نماز ہوئی یا نہیں مولوی صاحب نے جواب دیا کہ نماز نہیں ہوئی اس کا اعادہ کرو پھر بعض تو اعادہ کر لیتے ہیں اور بعض کہدیتے ہیں کہ میاں سب ہوگئی اللہ تعالیٰ ہم جاہلوں کی ہر طرح قبول کر لیتے ہیں اس عدم اعادہ کا منشاء (۳) ایک تو دین سے بے پروائی ہے یہ تو امر مشترک ہے ایک منشاء طبعی ہے وہ یہ کہ عمل کرنے کے بعد جو اس میں کچھ خرابی بتلائی جاتی ہے وہ انسان کو

---

(۱) تین دفعہ پکار چکا (۲) گری پڑی چیز ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مالک کو تلاش کر کے پہنچائی جائے اگر وہ نہ ملے اس کی طرف سے صدقہ کر دی جائے لیکن اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک آجائے تو اس کو اس کا بدل دینا پڑیگا اور یہ صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا (۳) اس نماز نہ لوٹانے کا سبب۔

گراں گذرتی ہے عمل سے پہلے جتنی بھی قیود لگادی جائیں وہ زیادہ گراں نہیں مگر جب کام ختم ہوچکے اب یہ کہنا کہ اسمیں یہ خرابی ہے وہ خرابی ہے گراں گذرتا ہے۔

کھانے کے آداب

مجھے اس کا تجربہ یوں ہوا کہ ایک دفعہ میں نے ایک بڑے عہدیدار کی دعوت کردی اور یہ کام میں نے اصولِ طریق (۱) کے خلاف کیا۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے ایک بزرگ نے وصیت فرمائی تھی کہ کسی کی دعوت نہ کرنا تو بزرگوں کا یہ اصول ہے مگر چونکہ وہ عہدیدار اکثر میرے پاس ملنے آتے تھے اس لئے میں نے شرم سے ان کی دعوت کردی جب کھانا تیار ہوکر سامنے لایا گیا اور وہ کھانے بیٹھے تو کہنے لگے کہ میں مرچ بالکل نہیں کھاتا۔ اس وقت ان کا یہ کہنا مجھے بہت ہی گراں گزرا کہ بندۂ خدا پہلے سے نہ کہد یا یہ بھی قلتِ علم کی خرابی ہے (۲) کہ لوگوں کو کھانے کے آداب معلوم نہیں کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جس کے یہاں مہمان ہوا اس کو اپنے معمولات کی پہلے ہی اطلاع کردے دسترخواں پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا تہذیب کے خلاف ہے کہ اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ اس وقت واقعی مجھے بہت تکلیف ہوئی وہ تو اتفاق سے ہماری ایک عزیزہ اس زمانہ میں آنکھیں بنوا کرآئی تھیں اور ڈاکٹر نے ان کو مرچ کھانے سے منع کررکھا تھا ان کے یہاں سے بے مرچ کا سالن منگایا گیا تب عہدیدار صاحب نے کھانا کھایا۔

اس طرح کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ میزبان مہمان کے اوپر مسلط ہوکر نہ بیٹھے بلکہ اس کو آزاد چھوڑ دے کہ جس طرح چاہے کھائے بعض لوگ

---

(۲) طریقت کے اصول کے خلاف (۳) علم کی کمی کی وجہ سے ہے۔

مہمان کے کھانے کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھا رہا ہے کیا کھا رہا ہے اس سے مہمان کو تکلیف ہوتی ہے۔

میزبان کی بدتہذیبی

چنانچہ ایک صاحب نے میری دعوت کی اور میرے اوپر مسلط ہوکر دسترخوان پر بیٹھ گئے خود تو کھایا نہیں میرے کھانے کو دیکھنے لگے اور ایک ایک کھانا میرے آگے بڑھانے لگے میں نے ایک بار تو کہدیا کہ میں خود کھالوں گا آپ تکلیف نہ کریں مگر وہ کب ماننے والے تھے پھر وہ کہنے لگے کہ آپ میرے باپ کے ملنے والوں میں سے ہیں اس لئے مجھے آپ سے خاص محبت ہے میں تو آپ کو باپ سمجھتا ہوں۔ میں نے دل میں کہا مگر میں آپ کو پاپ (۱) سمجھتا ہوں۔

آدابِ میزبانی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا ہمیشہ آپ کے دسترخوان پر بہت آدمی کھانے والے ہوتے تھے ایک مرتبہ ایک بدوی آپ کے دسترخوان پر تھا جو بڑے بڑے لقمے کھا رہا تھا اتفاق سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑ گئی تو آپ نے خیر خواہانہ طور سے نصیحت کی کہ لقمہ چھوٹا لو کہیں گلے میں نہ پھنس جائے بدوی یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور کہا آپ کو کھانا کھلانا نہیں آتا آپ مہمانوں کے لقمے دیکھتے ہیں پھر ہر چند حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خوشامد کی مگر وہ نہ ٹھہرا۔ تو کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مہمانوں کے لقمے نہ دیکھے ہاں خفیہ طور سے کہ مہمان کو نہ معلوم ہو کہ یہ مجھے دیکھ رہا ہے اس بات کی خبر گیری رکھے کہ کس کو کس چیز کی ضرورت ہے۔

(۱) مصیبت۔

اسی طرح آدابِ طعام میں سے یہ ہے کہ میزبان کے ہاتھ شروع میں پہلے دھلائے جائیں اور کھانا بھی اول میزبان کے سامنے رکھا جائے امام شافعیؒ امام مالکؒ کے مہمان ہوئے تو امام مالکؒ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ پہلے میرے ہاتھ دھلائے اور میرے سامنے کھانا پہلے رکھو کیونکہ مقصود تو مہمان کو راحت دینا ہے اور مہمان کو راحت اسی میں ہے کہ پہلے میزبان ہاتھ دھوئے اور کھانا شروع کرے اس سے مہمان بے تکلف ہو جاتا ہے مگر ان باتوں کو عوام تو عوام مشائخ بھی نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ انکی تعلیم نہیں کرتے ۔

زاہد شدی و شیخ شدی دانشمند　　　این جملہ شدی ولیکن انسان نشدی (۱)

مشائخ کی ذمہ داری

مشائخ کو چاہیئے کہ وظیفہ وغیرہ بتلانے سے پہلے دو کام بتلائیں ایک اخلاق کی درستگی دوسرے بقدرِ ضرورت علم کی تحصیل، پہلے زمانہ میں اسی پر عمل تھا۔ مریدوں کی برسوں تک اصلاحِ اخلاق کرتے تھے اس کے بعد وظیفے تعلیم فرماتے تھے اور جو طالب علم دین سے کورا ہوتا اس کو تحصیل علم کی تاکید فرماتے تھے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق ؒ کے پاس شیخ عبدالقدوسؒ حاضر ہوئے تو شیخ نے پوچھا کہ علم دین کہاں تک حاصل کیا ہے؟ کچھ نہیں، فرمایا جاہل ولی نہیں ہوسکتا جاؤ پہلے علمِ دین بقدرِ ضرورت حاصل کر کے آؤ چنانچہ شیخ عبدالحقؒ کا وصال ہو چکا تھا تو آپ نے شیخ کے پوتے سے بیعت کی درخواست کی انہوں نے بھی وہی سوال کیا کہ کیا پڑھا ہے عرض کیا کافیہ تک پڑھا ہے فرمایا کافیہ کافی ست باقی دردسر (۲) اور بیعت فرمالیا۔ پھر گو ظاہر

(۱) زاہد بن گئے ہو شیخ بن گئے عقل مند بن گئے یہ سب تو ہو گئے ہو لیکن انسان نہ بنے (۲) کافیہ تک تعلیم کافی ہے اس سے زائد کا حصول دردسر ہے۔

میں پوتے سے بیعت ہوئے تھے مگر روحانی فیض آپ کو حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ سے بہت زیادہ ہوا۔

تو محققین مشائخ کی یہ عادت تھی کہ ہر شخص کو فوراً بیعت نہ کرتے تھے بلکہ اول اس کو مبادی کی تحصیل کا امر (۱) کرتے تھے اور اگر کوئی شخص مبادی کو حاصل کر کے آیا ہو اس کو بھی جلدی بیعت نہ کرتے تھے بلکہ امتحان طلب کے بعد بیعت فرماتے تھے۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی بیعت کا قصہ

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ میں باہم یہ قول و قرار ہو چکا تھا کہ دونوں ایک ہی پیر سے بیعت ہوں گے کیونکہ دونوں میں محبت بہت تھی پھر حضرت حاجی صاحب تو ایک خواب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے یا اور کسی بزرگ نے خواب میں آپ کا ہاتھ میاں جی صاحبؒ (۲) کے ہاتھ میں دیکر فرمایا تھا کہ یہ تمہارے پیر ہیں مدت تک تو اس سوچ میں رہے کہ یہ بزرگ کون ہیں پھر کسی سے حضرت میاں جی صاحبؒ کے کمالات سن کر لوہاری (۳) حاضر ہوئے تو دیکھا تو میاں جی صاحبؒ کی بالکل وہی شکل وصورت تھی جو خواب میں دیکھی تھی حضرت میاں جی صاحب نے پوچھا کچھ کہنا ہے حاجی صاحب نے عرض کیا کیا آپ کو خبر نہیں۔ میاں جی صاحب نے فرمایا کہ خواب وخیال کا کیا اعتبار اب تو حاجی صاحب کو اور زیادہ اعتقاد ہو گیا کہ آپ کو بھی خبر ہے کہ میں آپ کے حوالہ کیا گیا ہوں بس رونا شروع کر دیا حضرت میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی اور بیعت فرمالیا۔

---

(۱) ابتدائی علوم کو سیکھنے کا حکم کرتے (۲) میاں جی نور محمد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے شیخ (۳) ایک قصبہ ہے۔

حافظ ضامن صاحب کی میاں جی نور محمد صاحب سے بیعت

اور حاجی صاحب کچھ ایسے مغلوب الحال ہوئے کہ حافظ صاحب سے کہنا بھول گئے حافظ صاحب نے جو دیکھا کہ حاجی صاحب روز روز لوہاری جاتے ہیں ایک دن پوچھا کہ تم روز روز کہاں جایا کرتے ہو؟ حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ سے بیعت کرلی ہے حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تم سے کیا عہد تھا‘ فرمایا میں بالکل بھول گیا کہا اچھا اب ہم کو بھی ساتھ لے چلو فرمایا بہت اچھا چنانچہ دونوں حضرات پہنچے تو میاں جی صاحب نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ کس ارادے سے تشریف لائے عرض کیا بیعت ہونے کے ارادے سے آیا ہوں فرمایا میں اس قابل نہیں مجھے اس سے معاف رکھیئے۔ کہا بہت اچھا میں اصرار نہیں کرتا کہ بزرگوں سے اصرار کرنا بے ادبی ہے مگر اس کے بعد حافظ صاحب برابر حاضر ہوتے رہتے یہانتک کہ عرصہ کے بعد میاں جی صاحب نے فرمایا کیا حافظ صاحب اب بھی وہی خیال ہے عرض کیا حضرت میں تو اپنی طرف سے اول ہی دن بیعت ہو چکا ہوں آپ کو اختیار ہے خواہ قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں فرمایا بہت اچھا وضو کر کے آجایئے اور دونوں بزرگوں کے طرز بیعت مختلف ہونے کا یہ اثر ہوا کہ حضرت حاجی صاحب تو فوراً طالب کو بیعت فرمالیا کرتے تھے بشرطیکہ طالب ہو اور حضرت حافظ صاحب طالب کو بھی بڑی دیر میں بیعت کرتے تھے کہ عمر بھر میں شاید سات آٹھ مرید ہوئے ہونگے اور حاجی صاحب کے ہزاروں مرید ہیں۔ غرض مشائخ کا یہ طرز تھا کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب برتاؤ کرتے تھے یہ نہیں کہ جو آیا فوراً مرید کرلیا اور مرید کرنے کے بعد سب کو وظیفے بتلا دیے چاہے اس کو نماز کے اور پاکی ناپاکی کے مسائل بھی معلوم نہ ہوں۔

حجابِ اکبر کے معنی

بلکہ آجکل تو غضب یہ ہے کہ مریدوں کو علم کی ترغیب تو کیا دیتے الٹی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ (العلم ھوالحجاب الاکبر) کہ ''علم بڑا حجاب ہے'' اور اس کے غلط معنی مشہور کئے ہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع (۱) ہے خود اس کے معارض بزرگوں کا دوسرا ارشاد ہے: (ماا تخذ اللّٰہ ولیا جاھلا) کہ ''خدا تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا'' (۲) بلکہ حجابِ اکبر شاہی اصطلاح ہے شاہی محاورہ میں حجابِ اکبر وہ پردہ ہے جو بالکل بادشاہ کے پاس ہوتا ہے کہ اس کے بعد اور حجاب کوئی نہیں ہوتا۔ جس کا لقب دہلی کے قلعہ میں لال پردہ تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ علم حاصل کرنے سے سب حجاباتِ رفع ہوجاتے ہیں اور غایت قرب (۳) نصیب ہوجاتا ہے حجابِ اکبر کے یہ معنی ہیں اور حضرت حاجی صاحب نے اس کے ایک دوسرے معنی بتلائے ہیں کہ العلم میں لام عہد ہے مراد علم غیر حق ہے وہ بے شک مانع عن المقصود (۳) ہے اور میں نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ علم سے مراد علم العلم ہے یعنی دعوی علم اپنے آپ کو عالم سمجھنا یہ بڑا حجاب ہے (۴) کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر کا حجابِ اکبر ہونا ظاہر ہے مگر اس سے نفسِ علم کا حجاب ہونا لازم نہیں آتا۔

---

(۱) اللہ کا قرب حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے (۲) اور جو اہل اللہ امی تھے وہ جاہل نہ تھے وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح صحبت کے ذریعہ سے ضروری مسائل و احکام معلوم کئے ہوئے تھے (۳) انتہائی قرب (۳) حق علم کے علاوہ غیر حق علم حاصل کرنا وہ یقیناً مقصود سے مانع ہے (۴) سب سے بڑی رکاوٹ۔

مشائخ اپنے مریدوں کو علماء سے نہ روکیں

لہٰذا مشائخ پر لازم ہے کہ اپنے مریدوں کو علماء سے نہ روکیں گو علماء دو قسم کے ہیں ایک علماء صوفیاء دوسرے علماء خشک اور شاید تم علماء خشک سے روکنا ضروری سمجھتے ہو مگر میں کہتا ہوں کہ عالم خشک پھر بھی جاہل صوفی سے افضل ہے۔ جاہل صوفی کی مثال اگرچہ وہ تر (۱) ہے جمنا کے بھنور کے مانند ہے کہ لوگوں کے ایمان کو غرق (۲) کرتا ہے اور عالم خشک کی مثال جمنا کے ریت کی مانند ہے کہ گو خشک ہے مگر اس میں کوئی غرق نہیں ہوتا اور عالم صوفی ہو تو اس کی تو یہ شان ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

مجھے مشائخ سے یہ شکایت ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علماء سے روکتے ہیں پہلے زمانہ میں مشائخ کا یہ برتاؤ تھا۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوسؒ کو حضرت شیخ جلال تھانسیری اول اول نچنیا (۳) پیر کہتے تھے کیونکہ شیخ عبدالقدوس صاحب وجد و سماع (۴) تھے مگر حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اپنے خادم کو علماء کے پاس تحصیل علم کے لئے بھیجتے تھے علماء کے طعن و ملامت سے ان پر یہ اثر نہیں ہوا کہ علماء سے اپنے خدام کو روک دیتے۔

آج کل کے درویشوں کی حالت

مگر آجکل درویشوں کو علم سے ایسی نفرت ہے کہ ان سے دور بھاگتے ہیں نفلیں تو خوب پڑھتے ہیں مگر مسائل کوئی نہیں سیکھتا نہ مشائخ ان کو سکھلاتے ہیں اس لئے ان کی نمازیں بھی درست نہیں ہوتیں اور جب بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی تو اعادہ گراں (۵) گذرتا ہے۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو بعد میں مسئلہ

(۱) گیلا ہے جیسے دریائے جمنا کا پانی گیلا ہے (۲) لوگوں کے ایمان کو ڈبوتا ہے (۳) ناچنے والا پیر (۴) سماع سنتے تھے اور کبھی کبھی وجد میں آجاتے تھے (۵) نماز لوٹانا بھاری معلوم ہوتا ہے۔

معلوم کر کے نماز کا اعادہ کرتے ہوں کیونکہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ عمل کے بعد اسمیں خرابی معلوم ہونا طبعا بہت گراں ہے اب محبت وعشق کا غلبہ ہوتو عمل کی اصلاح کا اہتمام ہوگا ورنہ نہیں پس آسان بات یہ ہے کہ پہلے ہی سے علم حاصل کرلیا جائے۔

قابلِ قدر درویش

مجھے تو درویشوں میں صرف دو آدمی ایسے ملے جن کو مسائل شرعیہ کا اہتمام تھا ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ وجد میں اگر غشی کی حالت میں گر پڑوں تو وضو رہے گا یا نہیں میں اس سوال سے بہت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ عمر بھر میں آج تم نے یہ سوال کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا معلوم ہوتا ہے تم کو دین کی فکر ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں وضو کا اعادہ ضروری ہے(۱)۔ وہ کہنے لگا کہ درویشوں میں کوئی بھی وضو کا اعادہ نہیں کرتا اس صورت میں مرید تو کیا پیر کی بھی نماز درست نہیں ہوتی مگر نماز کا اہتمام ہو اور اس کی قدر و وقعت ہو تو مسائل جاننے کی فکر ہو۔

دوسرے ایک بزرگ شاہجہانپور میں تھے وہ بھی درویشوں میں ایسے ملے جن کو دین کا خیال تھا انہوں نے بھی ایسا مسئلہ دریافت کیا کہ ان سے پہلے کسی نے دریافت نہیں کیا انہوں نے لکھا کہ میرا ایک دشمن تھا میں نے اس کے لئے بددعا کی تو وہ ہلاک ہوگیا مجھے اس صورت میں قتل کا گناہ تو نہیں ہوا اگر ہوا ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ کسی دوسرے شخص کو یہ واقعہ پیش آتا تو وہ اس کو اپنی کرامت و ولایت قرار دیتا مگر ان بزرگ کو دین کی فکر تھی ان کو گناہ کا اندیشہ ہوا۔ میں نے لکھا کہ آپ کے سوال سے بہت جی خوش ہوا مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ صاحب

---

(۱) دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے۔

تصرف ہیں اور تصرف سے کام لیا ہے تو بے شک آپ قاتل بشبہ عمد ہیں(۱) اب آگے تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص شرعاً مباح الدم (۲) تھا تو گناہ نہیں ہوا ورنہ گناہ ہوا اور شبہ عمد کا کفارہ بھی واجب ہوا یعنی ایک غلام مؤمن آزاد کرنا(۳) یہ نہ ہوسکے تو دو مہینے پے در پے روزے رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرنا۔

اور اگر آپ صاحب تصرف نہیں(۴) یا ہیں مگر تصرف سے کام نہیں لیا صرف دعا پر اکتفا کیا ہے تو قتل لازم نہیں آیا۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص بددعا کا اہل تھا یا نہیں اگر بددعا کا اہل تھا تو آپ پر گناہ بھی کچھ نہیں ہوا اور اگر بددعا کا محل نہ تھا تو بددعا کا گناہ ہوا جس سے توبہ استغفار لازم ہے کفارہ قتل لازم نہیں۔ اور وہ شخص جو ہلاک ہوگیا ممکن ہے یہ گستاخی کی سزا ہو جیسا حافظ شیرزیؒ فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

اہل اللہ کو ستانا اچھا نہیں اس کا ثمرہ جلدی ہی مل جاتا ہے مگر ان بزرگ کا کمال دیکھئے کہ اس کو کرامت سمجھ کر بے فکر نہیں ہوئے بلکہ ڈر گئے کہ مجھے بددعائے ناحق کا یا قتل کا گناہ تو نہیں ہوا۔

صاحبِ کرامت بزرگوں کی ذمہ داری

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ صدور کرامت کے بعد ولی کو بے فکر نہ ہونا چاہیئے بلکہ حکمِ شرعی معلوم کر کے حکم شریعت کا اتباع کرنا چاہیئے۔ ہمارے حاجی صاحبؒ کے یہاں ایک دفعہ عین وقت پر بہت سے مہمان آگئے جتنا آٹا گوندھا گیا تھا وہ کافی نہ

---

(۱) جو جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے اس کے مشابہ ہیں (۲) اگر اس کا قتل کرنا شرعا جائز تھا تو گناہ نہیں ہوا (۳) اور جو جان بوجھ کر قتل کرنے کے مشابہ ہو اس میں ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اس کا کفارہ ہے یہ نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزہ رکھے (۴) اگر آپ کو یہ ملکہ حاصل نہیں کہ آپ دوسرے پر اثر انداز ہوسکیں۔

تھا تو حضرت نے اپنا چادرہ یا رومال گھر میں بھیجدیا کہ اس کو آٹے پر ڈھک دو اور پکانا شروع کرو چنانچہ تھوڑے سے آٹے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب مہمانوں نے کھالیا اور بچ بھی گیا حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حاجی صاحب ے پاس تشریف لائے اور فرمایا مبارک ہو کرامت ظاہر ہوئی بس آپ کا رومال سلامت چاہئے پھر دنیا میں قحط کیوں پڑنے لگا اور قحط میں جو حکمتیں ہیں ان کا ظہور کیوں ہونے لگا۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحب کا رنگ زرد ہوگیا اور فرمایا حافظ صاحب میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے عہد کرتا ہوں کہ ایسی جرأت پھر نہ ہوگی یہ تھے سچے لوگ۔

جہل کی خرابی

اور آجکل تو یہ حالت ہے کہ کسی کو تصرف کی قوت عطا ہوجاتی ہے تو وہ اس کی اس طرح مشق کرتے ہیں کہ اپنے پاس آنے والوں کے دل پر اثر ڈالتے ہیں تاکہ ان کے مدرسہ یا مسجد یا خانقاہ میں روپے دیئے جائیں۔ یاد رکھو ایسا تصرف جس سے دوسرے شخص کی آزادی سلب ہوجاوے حرام ہے اور یہ بھی ایک قسم کی ڈکیتی ہے مگر یہ لوگ اس کو اپنی کرامت سمجھتے اور اس پر فخر کرتے ہیں یہ ساری خرابی جہل کی ہے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ علم نہ ہونے سے کتنی خرابیاں ہورہی ہیں۔

علم اور علماء کی فضیلت

پس بڑی کمی اس وقت یہ ہے کہ لوگ علم کی طرف توجہ نہیں کرتے اگر کسی کو دین کی طرف توجہ کی توفیق بھی ہوتی ہے تو وہ مسجد بنواتا اور مسجد میں رقم لگاتا ہے

مدارس کی امداد نہیں کرتا چنانچہ لوگ مسجد میں تو تیل بہت دیتے ہیں مگر طلباء کی خدمت نہیں کرتے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:((فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنا کم)) کہ ”عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ادنی امتی پر ہے“ اور اس فضیلت کا منشا یہ نہیں کہ علم کا نفع متعدی ہے اور عبادت کا نفع لازم؟ کیونکہ علم کا نفع بھی متعدی نہیں لازم ہے نفع متعدی اگر ہے تو تعلیم کا ہے بلکہ فضیلت علم کا منشا یہ ہے کہ وہ شرط عمل ہے کیونکہ عبادت بدوں (۱) علم کے نہیں ہوسکتی اور جو ہوتی ہے وہ عبادت کی محض صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی۔ ہاں تعلیم کی فضیلت کا منشا یہی ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:((انما بعثت معلما)) کہ ”میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں“۔ یہاں سے معلم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ وہ اس امر میں نائب رسول ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو وہاں دو جماعتیں تھیں ایک علماء کی جو مسائل شرعیہ کا تذکرہ کر رہے تھے دوسری عابدین کی جو ذکر واذکار کر رہے تھے تو حضور ﷺ علماء میں بیٹھ گئے اور فرمایا:((انما بعثت معلما)) مگر آجکل قرآن کے معلموں کی تو ایسی بے قدری ہے کہ دو روپیہ ماہوار اور کھانا ان کو ملتا ہے اس سے زیادہ تنخواہ کسی کی ہوئی تو بس دس بارہ حد ہے۔ اسی طرح مؤذنوں کی اور اماموں کی بڑی بے قدری ہے بلکہ جو لوگ امامت سے پہلے معزز تھے امام بن جانے کے بعد ان کی بھی بے قدری کی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی مسجد کے ملا ہی کہلاتے ہیں۔ سو یاد رکھو کہ معلم رسول اللہ ﷺ کا منصب ہے مگر حضور ﷺ کا پیشہ معلّمی نہ تھا کہ اس پیشہ سے آپ نے گذر کیا ہو بلکہ آپکا ذریعۂ معاش جہاد اور توکل علی اللہ تھا آجکل جو

(۱) بغیر علم۔

معلمین کی بے قدری ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کو پیشہ بنالیا ہے(۱) لیکن اگر مسلمانوں کو علم کی طرف توجہ ہوتی اور شوق ہوتا تو معلموں کو اس ضرورت ہی نہ ہوتی۔ شکایت تو اسی کی ہے کہ مسلمانوں کو علم کی طرف بالکل توجہ نہیں۔

عالم کی عابد پر فضیلت کی تفصیل

اب میں اس حدیث کے متعلق ایک نکتہ بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس حدیث میں عالم سے مراد عالم محض نہیں جو عمل سے خالی ہو کیونکہ ایسے عالم کی تو دوسری حدیثوں میں بے حد مذمت وارد ہے بلکہ مراد وہ عالم ہے جو باعمل ہے مگر غلبہ اس پر علم کا ہے ایسے ہی عابد سے مراد عابد محض نہیں جو علم سے بالکل کورا ہو کیونکہ ایسا شخص عبادت کر ہی نہیں سکتا بغیر علم کے تو عمل دشوار ہے اور اگر وہ عبادت کریگا تو وہ محض نقل ہوگی حقیقت عبادت نہ ہوگی بلکہ مراد وہ عابد ہے جو علم وعبادت کا جامع ہے مگر اس پر شان علم غالب نہیں بلکہ شان عمل غالب ہے تو ایسے عابد سے عالم اس لئے افضل ہے کہ علم خود موقوف علیہ عمل کا ہے۔

---

(۱) علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معلم کی اجرت کی حد مقرر کرنا مناسب نہیں اس لئے کہ اگر معلم کے بچے زیادہ ہیں تو اسکو تھوڑی رقم کافی نہیں ہوگی اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے تجارت کریگا جس سے اس کی تعلیم میں شدید خلل واقع ہوگا۔ اسی طرح عربی مدرسین کی تنخواہوں کی حد مقرر کرنا بھی مناسب نہیں بلکہ جب کہ ان کے رزق کا مدار اللہ کے ایسے مقام سے رزق عطا کرنے پر ہے جس کا گمان بھی نہ ہو تو مناسب ہے کہ ان کی تنخواہ کو عطایا پر محمول رکھا جائے عطایا زائد ہوں زائد دی جائیں کم ہوں کم ان کی اجرت کی حد مقرر نہ کی جائے۔۱۲ظ‘‘۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ فرماتے ہیں ’’یہ افضل ہے لیکن اگر مقرر کرلی جائے اور اس کی ضرورت محسوس ہو تو اسکی اجازت ہے۔۱۲ش‘‘

شبہ کا جواب

اگر اس پر یہ شبہ کیا جائے کہ علم کا شرط عمل ہونا فضیلت کے لئے اس لئے کافی نہیں کہ عمل میں دوسری فضیلت موجود ہے وہ یہ کہ عمل مقصود ہے اور علم وسیلہ ہے اور مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے۔ پس علم بلا عمل طریق بلامقصود ہے اور عمل بلا علم مقصود بلا طریق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم ہمیشہ عمل کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بعض علوم محض علم ہی کے لئے موضوع ہیں جیسے اعتقادیات اور عمل کوئی بھی بدوں علم کے نہیں ہوسکتا پس علم تو ایک درجہ میں عمل سے مفارق و مستغنی (۱) ہوسکتا ہے مگر عمل کسی درجہ میں بھی علم سے مستغنی نہیں، دوسرے یہ کہ علم کبھی عمل تک بھی پہنچا دیتا ہے اور عمل کبھی علم تک نہیں پہنچاتا اس لئے عابد سے تکمیل علم کی کبھی امید نہیں اور عالم سے تکمیل عبادت کی امید ہے، تیسرے علم میں حظ نفس کچھ نہیں بھلا حیض ونفاس ورہن وشفعہ کے مسائل میں کیا حظ ہوتا اور عبادت و ذکر واشغال میں لطف و حظ بھی بہت ہے اس لئے عالم زیادہ مجاہدہ کرتا ہے عابد اس کے برابر مجاہدہ نہیں کرتا۔ پس جس شخص کو عبادت کی توفیق ہوچکی ہو اس کو لازم ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی تحصیل بھی شروع کردے کہ بدون اس کے عبادت ناقص ہے۔

حصولِ علم کا طریقہ

اور تحصیلِ علم کا طریقہ سب سے افضل تو یہ ہے کہ عربی میں حاصل کیا جائے اگر اس کی ہمت نہ ہوتو اردو رسائل بھی آج کل دینیات میں بکثرت ہیں ان کو پڑھا جاوے بقدرِ ضرورت تو استاد سے اس کے بعد اپنے مطالعہ سے اور مردوں

(۱) جدا و بے نیاز۔

کو چاہیئے کہ جتنا سبق پڑھیں اس کو گھر میں آکر مستورات کو سنائیں تاکہ ان کو بھی علمِ شریعت حاصل ہوجائے اور جو یہ بھی نہ کرسکیں تو وہ ایک وقت فرصت کا مقرر کرکے کسی عالم سے مسائل کی کتاب سن لیا کریں مگر اس کے واسطے ہر بستی کے آدمیوں کو چندہ کرکے ایک عالم اپنے یہاں بلانا ہوگا اور یہ کچھ دشوار نہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم علماء سے ملتے جلتے ہی رہیں۔ اور فرصت کے دنوں میں چند روز ان کے پاس رہ لیا کریں اور ضرورت کی باتیں پوچھتے رہا کریں اس طرح بھی ان کو علم حاصل ہوجائیگا۔ اور ان شاء اللہ وہ اس فضیلت سے کچھ حصہ پالیں گے جو اس حدیث کے اندر مذکور ہے جس کو میں نے ابتداءً بیان میں پڑھا تھا اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اس بے پروائی کا کچھ علاج نہیں اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ شانہ ہم کو فہم سلیم (۱) اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین (۲)

---

(۱) صحیح سمجھ (۲) اللہ تعالیٰ محشی اور اس وعظ کی تیاری میں مدد و معاون ہونے والے تمام افراد کو علم و عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

خلیل احمد تھانوی ۱۳ شعبان ۱۴۲۹ھ

نظم قائم کیجئے اوقات میں
برکتیں پھر دیکھئے دن رات میں

مغتنم ہے دولت عمر عزیز
کیجئے ضائع نہ لغویات میں

حضرت مولانا مشرف علی عارفؔ تھانوی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیۂ لاہور